بسم اللہ الرحمن الرحیم

ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، ۲/۲۹، جولائی - دسمبر ۲۰۱۴ء

ادار یہ

یہود و نصاریٰ سے تعلقات و معاملات

سورہ المائدہ کی آیت/۵۱ کے حوالہ سے

ظفر الاسلام اصلاحی

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ موجودہ حالات میں عالمی سطح پر مسلم و غیر مسلم تعلقات کے مسائل کافی اہمیت اختیار کر گئے ہیں اور عوام وخواص سب کی دلچسپی کا باعث بن گئے ہیں۔ سیمینار و مذاکرات کی مجلسوں کے علاوہ عام علمی حلقوں میں بھی یہ مسائل بار بار زیر بحث آتے ہیں۔ لوگ خاص طور سے قرآن و حدیث اور قانونِ شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھنا و سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس مسئلہ کا ایک اہم پہلو اہلِ کتاب یا مروجہ اصطلاح میں یہود و نصاریٰ سے تعلقات و معاملات کے مسائل ہیں۔ ان مسائل پر قرآنی ہدایات میں سورہ المائدہ کی آیت/۵۱ (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ) بڑی اہمیت رکھتی ہے اور زیر بحث مسئلہ پر اظہار خیال کرتے وقت اسے اکثر نقل کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس کے حوالہ سے یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ قرآن کی نظر میں غیر مسلموں بالخصوص اہلِ کتاب سے ربط و تعاون، میل و جول یا روزمرہ زندگی میں ان سے تعلقات و معاملات کی اجازت نہیں ہے۔ اس تاثر کی اصل بنیاد لفظ ''ولی'' یا ''اولیاء'' کی غلط تشریح یا تعبیر ہے۔ درحقیقت آیت کی تشریح و ترجمانی کے ذیل میں سب سے اہم مسئلہ لفظ ولی یا

اولیاء کے معنیٰ و مفہوم کی تعیین ہے اور اسی پر زیر بحث مسئلہ کا تصفیہ موقوف ہے۔ اردو تراجم و تفاسیر کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ''ولی'' کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ و مفہوم کی وضاحت، متعلقہ آیت کے نزول کے پس منظر اور اس کے مخاطب کی تعیین میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ عربی زبان کا، جیسا کہ معروف ہے، ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کے بہت سے الفاظ کثیر المعانی ہیں اور انہی میں لفظ ولی بھی شامل ہے۔ عربی لغات و کتبِ اصطلاحات (مفردات القرآن/ راغب اصفہانی، اقرب الموارد/ سعید الخوری، لسان العرب/ ابن منظور اور کشافات اصطلاحات الفنون/ محمد اعلیٰ تھانوی میں لفظ ''ولی'' کی تشریح ان الفاظ سے کی گئی ہے: الصدیق، ضد العدو، الناصر، النصیر، المعین، المعاون، المحب، التابع۔ اردو میں اس لفظ کی ترجمانی ان الفاظ سے کی جاتی ہے: رفیق، دوست، حبیب، حلیف، حامی، مددگار، سرپرست، معتمد، محرمِ راز، کارساز۔

اس باب میں یہ مطالعہ اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ مفسرین نے اس لفظ کی تشریح وتوضیح کس طور پر کی ہے۔ فی الحال مذکورہ بالا آیت سے متعلق اردو کے کچھ ممتاز مترجمین و مفسرین کی تشریحات وتوضیحات کا جائزہ اور ان سے اخذِ نتائج مقصود ہے۔

متعدد اردو تراجم/ تفاسیر دیکھنے کے بعد یہ تعجب خیز حقیقت سامنے آئی کہ بیشتر مترجمین/ مفسرین نے ولی یا اولیاء کا ترجمہ ''رفیق'' یا ''دوست'' کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ولی کے معنی، جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا، دوست اور رفیق کے بھی ہوتے ہیں، لیکن جس تاکید و سختی سے یہود و نصاریٰ کو ولی نہ بنانے کی ممانعت کی گئی ہے، اس کے سیاق میں اس لفظ کی یہ ترجمانی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ واقعہ یہ کہ یہاں معاملہ عام دوستی یا رفاقت کا نہیں ہے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسی سے (چاہے اس کا مخالف و دشمن ہی کیوں نہ ہو) عام دوستانہ تعلقات قایم کرنے سے منع نہیں کرتا۔ درحقیقت آیتِ زیرِ بحث میں جن کو ولی نہ بنانے کی ہدایت دی گئی ہے ان کے احوال وکوائف یا اہلِ اسلام سے متعلق ان کی حرکات وسکنات اور ریشہ دوانیوں کے جائزہ کی روشنی میں یہ اچھی طرح سمجھا سکتا ہے کہ اِس طور پر ان سے دوستانہ تعلقات قایم کرنے کی ممانعت ہے کہ ان

کی حیثیت معتمد، محرم راز یا حبیب و حلیف اور مددگار کی بن جائے اور وہ اپنے مسلم حبیب و رفیق سے انتہائی قریب ہو کر یا گھل مل کر یا اہل اسلام کی صفوں میں گھس کر انہیں مسلمانوں کے خلاف اپنی ریشہ دوانیوں کو اور بڑھانے، گھناؤنی سازشیں رچنے اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا موقع مل جائے۔ ممکن ہے اہل کتاب سے ایسی گہری دوستی انفرادی طور پر کسی مسلم کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ نہ ہو، لیکن اہلِ اسلام کے حق میں بہت خطرناک اور انتہائی ضرر رساں ثابت ہوسکتی ہے یا ہوگی۔ اسی لیے اس اجتماعی نقصان کے مدّنظر یہود و نصاریٰ سے گہری دوستی یا بہت قریبی مراسم قایم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں یہ محتاط رویہ اختیار کرنے کی ضرورت و معنویت اس پس منظر میں اور کھل کر سامنے آجاتی ہے جب ان کی اسلام رمسلم مخالف حرکتیں طشت از بام ہوجائیں اور اہلِ اسلام کے بارے میں ان کے خطرناک منصوبے ظاہر ہونے لگیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اس آیت کے پس منظر کے سلسلہ میں عام طور پر ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب مدینہ میں اسلام و کفر کے مابین کشمکش زوروں پر تھی۔ مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی سازشیں و حرکتیں سامنے آگئی تھیں اور ان کی جانب سے بار بار عہد شکنی ہو رہی تھی۔ ایک جانب مکہ کے کفار و مشرکین کو مِلا کر انھوں نے اہل اسلام کے خلاف ایک متحدہ محاذ قایم کر دیا تھا اور دوسری جانب مسلمانوں میں گھس کر یا ان سے دوستی بڑھا کر ان کے راز حاصل کرنے اور انھیں اندر سے کمزور کرنے کے درپہ تھے۔ اس لیے آیت مذکورہ میں ولی کا ترجمہ محض دوست یا رفیق کرنا موزوں یا مناسبِ حال نہیں معلوم ہوتا۔ یہاں اس دلچسپ حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن مترجمین ر مفسرین نے ''ولی'' کا ترجمہ دوست یا رفیق کیا ہے ان میں سے بیشتر نے اس آیت کی تشریح اس طور پر کی ہے: ''خدائے تعالیٰ ان سے دلی میل جول کی ممانعت کرتا ہے'' (تفسیر حقانی)۔ ''یہودیوں اور عیسائیوں بلکہ عام کافروں کو مخلص دوست نہ سمجھا کرو'' (تفسیر ثنائی)۔ ''یہود و نصاریٰ سے موالات (گہری دوستی) نہ کریں'' (معارف القرآن)۔ ''ان سے دوستی و محبت نہ کرو'' (روح القرآن)۔ ''یہود و نصاریٰ کو اپنا معتمد و کارساز نہ بناؤ''

(تدبر قرآن)۔ ''یہود و نصاریٰ سے موالات و محبت کا رشتہ قایم کرنے سے منع کیا گیا ہے'' (اردو ترجمہ قرآن کریم/احمد جونا گڈھی، تفسیر/صلاح الدین یوسف)۔ ''ان سے دوستی و اعتماد پر مبنی تمام تعلقات و مراسم ختم کر دینے چاہئیں'' (جاوید احمد الغامدی/البیان)۔ اس طرح کی تشریحات سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ آیت میں یہود و نصاریٰ سے کس نوع کے تعلقات قایم کرنے یا انہیں کیسا دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے اور متعلقہ آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس ممانعت کے وجوہ کیا ہیں اور اس میں کیا حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے۔

دوسرے انہیں ولی بنانے پر جو وعید (ایسا کرنے والا انہی میں سے شمار ہوگا) سنائی گئی ہے اس پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات اور واضح ہو جائے گی کہ یہاں ممانعت محض دوستی کرنے یا عام تعلقات قایم کرنے کی نہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر انہیں اپنا معتمد و رازداں بنانے یا انہیں حلیف و مددگار گرداننے کی ہے، ورنہ اتنی سخت وعید نہ سنائی جاتی۔

تیسرے یہ کہ ولی کے یہ معانی (قریبی رفیق، گہرے دوست، معتمد و مددگار) اس آیت کے چند آیات بعد والی اس آیت سے مزید واضح ہوتے ہیں جس میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا (المائدہ/۵۵) [تمہارے ولی تو بس اللہ، اس کے رسول اور مومنین ہیں]۔

مزید یہ کہ قرآن میں یہود و نصاریٰ کو ولی یا گہرا دوست، قریبی رفیق اور معتمد و حلیف بنانے سے جو منع کیا گیا ہے اس کی حکمت و مصلحت کو ان آیات کی روشنی میں بھی بخوبی سمجھا جا سکتا ہے جن میں ان کے گھناؤنے کردار کو بے نقاب کیا گیا ہے اور اہلِ اسلام کے تئیں ان کا جو مخالفانہ، معاندانہ رویہ رہا ہے اس کی نشاندہی بہت صاف لفظوں میں کی گئی ہے۔ ان آیات سے یہ اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس لایق نہیں کہ ان سے گہرے مراسم رکھے جائیں، ان پر اعتماد کیا جائے اور ان کو محرمِ راز بنایا جائے۔ قرآن نے ان کی جس غلط روش، بری عادتوں اور اخلاقی برائیوں کی خاص طور سے نشان دہی کی ہے وہ ہیں: حق و باطل میں اختلاط و کتمانِ حق (آل عمران ۷۱/۳)، عہد شکنی و وعدہ خلافی (البقرہ

۱۰۰/۲، المائدہ ۱۳/۵)، قولی وعملی نفاق (البقرہ ۷۶/۲)، راہِ حق سے انحراف وتحریف (آل عمران ۹۹/۳)، فساد و بدامنی پھیلانے میں دلچسپی (المائدہ ۶۴/۵)، مال کی شدید حرص و ہوس اور اموالِ باطلہ کے بے دھڑک استعمال کی لت (النساء ۶۱/۴، المائدہ ۴۲/۵)۔ یہود و نصاریٰ کی ان فکری، عملی و اخلاقی خرابیوں کی صراحت کے بعد کیا واقعی وہ اس کے مستحق ہیں ان سے دوستی گانٹھی جائے، ان سے محبت کی پینگیں بڑھائی جائیں اور ان پر اعتماد کیا جائے یا اپنے راز ہائے سربستہ ان کے سامنے افشاء کیے جائیں۔ اسی لیے مائدہ کی زیر مطالعہ آیت میں مسلمانوں کو ان سے متنبہ ومحتاط رہنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ یعنی ان سے عام انسانی تعلقات قایم کرنے سے نہیں روکا گیا ہے، بلکہ بہت قریبی تعلقات استوار کرنے یا انہیں محرمِ راز وسرپرست کا مقام دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ وہ نہ تو مسلمانوں کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں اور نہ ان کے حق میں مخلص بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ واقعات وتجربات شاہد ہیں اور خود قرآن ان کے بارے میں یہ خبر دے رہا ہے کہ اہلِ ایمان کی دشمنی میں یہود ومشرکین سب سے آگے ہیں۔ یعنی مومنین کو نقصان پہنچانے یا انہیں اذیت دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھ چھوڑتے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

لَتجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُواْ الْيَهُودَ وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُواْ (المائدہ ۸۲/۵)	تم ایمان والوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود ومشرکین کا پاؤ گے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآن نے ایک اور پہلو سے ان سے قریب ہونے، ان کی ہم نوائی کرنے اور ان کی پیروی سے منع کیا ہے اور وہ یہ کہ اہلِ اسلام سے قربت وگہری دوستی کا فائدہ اٹھا کر وہ ان سے اپنی باتیں منوائیں گے، اور رفتہ رفتہ پوری طرح انھیں اپنا ہم نوا بنالیں گے اور اس سے آگے بڑھ کر ان کے عقیدہ وعمل میں خرابی پیدا کریں گے۔ اس لیے کہ وہ جزوی پیروی پر راضی نہیں ہوں گے، بلکہ پوری طرح اپنے عقاید وافکار کا پیرو بنانے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چال سے اہلِ ایمان کو متنبہ کرتے ہوئے صاف صاف فرمایا:

وَلَن تَرضَى عَنكَ اليَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى (البقرہ۲/ ۱۲۰)	یہود ونصاریٰ تم سے ہرگز نہیں راضی ہوں گے جب تک کہ تم ان کے طریقہ پر نہ چلنے لگو۔ کہہ دو اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ان کی اطاعت یا اتباع ایمان کے لیے خطرے سے خالی نہیں، اس لیے کہ وہ تمھیں کفر کی طرف پلٹا دیں گے (آل عمران۳/ ۱۰۰)۔اس ضمن میں یہ ذکر بے موقع نہ ہوگا کہ تفسیر حقانی کے مولف گرامی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ قیمتی نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، فسق وفجور اور شرک وکفر ایک روحانی مرض ہے جو بسا اوقات ایسے لوگوں سے دلی میل جول رکھنے سے متعدی ہوجاتا ہے۔اسی لیے یہود و نصاریٰ کی خرابیاں بیان فرماکر ان سے دلی میل جول کی ممانعت کرتا ہے (عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، بدون تاریخ،۲/ ۲۸۴۔۲۸۵)۔اسی سے ملتی جلتی رائے مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے:

> ''چوں کہ ان لوگوں (یہودیوں وعیسائیوں) کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں، صرف دنیا کے بندے ہیں۔ اس لیے تم کو حکم ہوتا ہے کہ مسلمانو! ان دنیا داروں یہودیوں عیسائیوں کو، بلکہ عام کافروں کو مخلص دوست نہ سمجھا کرو، کہیں ان کی صحبت کا اثر تم کو بھی نہ ہوجائے'' (تفسیر ثنائی، الدارالسلفیہ، ممبئی، ۲۰۰۰ء، ۱/ ۵۷۰)۔

ان تفصیلات سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت میں یہود ونصاریٰ کو ولی بنانے کی ممانعت سے مراد محض دوستی یا روزمرہ زندگی میں ان سے راہ ورسم قایم کرنے پر پابندی نہیں، بلکہ ان سے گہری دوستی و دلی میل جول قایم کرنے سے روکنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ یہ اس نوع کی دوستی قایم کرنے والے صاحب ایمان کے لیے نقصان دہ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ورنہ جہاں تک غیر مسلموں (بشمول اہلِ کتاب) سے عام تعلقات رکھنے، ان کی خوشی وغمی میں شریک ہونے اور ان کے ساتھ حسن سلوک و منصفانہ برتاؤ کا معاملہ ہے، قرآن نے کہیں اس کی

ممانعت نہیں کی ہے، بلکہ وہ تو اہلِ اسلام کو مخالفین و اعداء کے ساتھ بھی انسانی و اخلاقی قدروں کے برتنے کی تلقین کرتا ہے (المائدہ ۵/۲،۸؛ الممتحنہ ۶۰/۸) اور معلمِ انسانیت و نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے ان اعلیٰ و شریفانہ اقدار کو عملی طور پر برت کر آنے والوں کے لیے بہترین نمونہ بھی چھوڑ دیا ہے۔ سماجی زندگی میں سب کے ساتھ اخلاقیات کی پاس داری اور بالخصوص دشمنوں کے تئیں ان کے ذہنوں کو بدلنے والا طرزِ عمل اختیار کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ. وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (حٰم السجدہ ۴۱/۳۴-۳۵)	نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس چیز سے دفع کرو جو زیادہ بہتر ہے تو تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے اور تمھارے درمیان عداوت ہے وہ گویا ایک سرگرم دوست بن گیا ہے اور یہ دانش مندی نہیں ملتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں اور یہ حکمت نہیں نصیب ہوتی مگر انہیٰ لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔

اس آیت سے مولانا محمد عمر اصلاحی (استاد تفسیر مدرسۃ الاصلاح) نے عام لوگوں (بالخصوص مخالفین و غیر مسلمین) سے تعلقات و معاملات کے بارے میں جو قرآنی ہدایات اخذ کی ہیں وہ قابلِ ذکر ہیں۔ خود ان کے الفاظ میں: ”(الف) بدی کرنے والوں کے ساتھ بھی نیکی کرو۔ (ب) حتی الامکان صبر کا مظاہرہ کرو اور اپنا کام کرتے رہو۔ (ج) بدی کے جواب میں نیکی کرنا حکمت و دانائی کی بات ہے۔ (د) حسن سلوک سے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔ (ہ) دشمن کا دوست بن جانا بڑے نصیب کی بات ہے۔ یہ ہدایات خود بتا رہی ہیں کہ جن سے گہری دوستی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ (عام) غیر مسلم نہیں، بلکہ وہ ہیں جو مسلمانوں کے لیے ناسور بن گئے تھے“ (مسلم غیر مسلم تعلقات۔ قرآنی نقطۂ نظر سے، ششماہی علوم القرآن، ۲۹/۱، جنوری۔ جون ۲۰۱۴ء، ص ۱۲۹-۱۳۰)۔ سورہ مائدہ کی آیتِ زیر بحث کے حوالہ سے مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ کی یہ وضاحت بڑی اہمیت

رکھتی ہے:

''اولیاء ولی کی جمع ہے اور ولی کا اطلاق دوست، قریبی اور ناصر و مددگار سب پر ہوتا ہے۔ یہاں جس چیز کی ممانعت فرمائی گئی ہے وہ تعلق، دوستی محبت و قربِ اختصاصی ہے۔ رہا عدل و حسن سلوک تو اس کا تعلق کفر و اسلام سے نہیں ہے۔ وہ تو ہر بشر بلکہ ہر مخلوق کے حق میں لازمی ہے'' (تفسیر ماجدی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنو، ۲۰۰۳ء، ۹۲۸/۱)۔

اسی آیت کی تشریح کے ضمن میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی یہ وضاحت اس معاملہ کو اور زیادہ منقح کر دیتی ہے کہ ''اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ موالات،، مروت وحسنِ سلوک، مصالحت، رواداری اور عدل وانصاف یہ سب الگ الگ چیزیں ہیں۔اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح وعہد و پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں......مروۃ اور حسن سلوک یا رواداری کا برتاؤ ان کفار سے ہوسکتا ہے جو جماعتِ اسلام کے مقابلہ میں دشمنی وعناد کا مظاہرہ نہ کریں، جیسا کہ سورہ ممتحنہ میں تصریح ہے۔ باقی موالات یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت ومعاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قایم کرے'' (تفسیر عثمانی، ترجمہ: مولانا محمود حسن/تفسیر: مولانا شبیر احمد عثمانی، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۰ء، ۳۵۶/۱۔۳۵۷)۔

ولی یا اولیاء کے لغوی واصطلاحی معنی ومفہوم کی تعیین کے علاوہ زیر بحث آیت کے مدلولات کو سمجھنے کے لیے اس پر درج ذیل پہلوؤں سے غور وخوض کی ضرورت ہے:

۱- آیت کے نزول کا کوئی خاص پس منظر ہے یا اس کا اطلاق عام ہے۔

۲- اس میں مذکور یہود ونصاریٰ سے خاص عہد نبوی ﷺ کے اہلِ کتاب مراد ہیں یا بعد کے دور کے بھی اس کے دائرہ میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔

۳- اس کے مخاطب محض نزول قرآن کے زمانہ کے اہل ایمان ہیں یا یہ خطاب ہر دور کے مومنین سے ہے۔

۴- یہود ونصاریٰ سے گہری دوستی کی ممانعت کرتے ہوئے قرآن نے ان کی

اعتقادی و عملی گمراہیوں کی جو نشان دہی کی ہے اور اہلِ اسلام کے تئیں ان کے مخالفانہ، دشمنانہ اور منافقانہ رویہ کو جو بے نقاب کیا ہے، کیا موجودہ دور میں اس میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی ہے۔

۵- موجودہ بین الاقوامی صورتِ حال میں اس آیت کے حکم کا اطلاق کس طور پر کیا جائے گا۔

۶- عصر حاضر کے مسلم حکمراں یا سربراہانِ ریاست اس حکم پر کہاں تک عمل پیرا ہیں۔

۷- موجودہ دور میں اس حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے بعض مسلم حکومتیں اس کے وبال سے دوچار ہوئیں کہ نہیں۔

اہم بات یہ کہ ان سوالات کے حوالے سے اردو کی نمائندہ تفاسیر کا جائزہ لیا جائے تو یہ معلوم ہوگا ان میں کسی نہ کسی صورت میں ان مسائل سے تعرض کیا گیا ہے یا ان کو سمجھنے کے لیے کچھ اشارے دیے گئے ہیں۔ انھی کی روشنی میں مذکورہ بالا سوالات کے جواب کی کچھ وضاحت یہاں مطلوب ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے باب میں مفسرین کے تین نقطۂ نظر ہیں:

الف۔ یہ آیت رئیس المنافقین ابی ابن کعب کے بارے میں نزل ہوئی۔

ب۔ آیت میں خطاب عام ہے، لیکن روئے سخن ان منافقین کی طرف ہے جو یہودیوں کے زیر اثر تھے۔

ج۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہودی معاہدہ توڑ کر مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکّہ سے سازش کرنے لگے اور مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر بہت سے مسلمانوں سے معاہدہ کیے ہوئے تھے اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے لیے جاسوسی کا کام کرتے تھے۔

شاہ عبد القادر، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبد الحق حقانی اور مولانا صلاح الدین یوسف اولین رائے کے حامل ہیں، جب کہ دوسری رائے پیش کرنے والوں میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبد الرشید

اور جناب جاوید احمد غامدی شامل ہیں۔ تیسری رائے مولانا مفتی محمد شفیع نے ظاہر کی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس آیت کے نزول کو کسی پس منظر ر واقعہ یا خاص شخص سے منسوب نہیں کیا ہے اور خطاب کو بالکل عام تصور کرتے ہوئے اس کی تشریح و ترجمانی کی ہے۔ ان میں سے ہر نقطۂ نظر کے ایک ترجمان کے اصل بیان کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی متعلقہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ آیتیں رئیس امنافقین عبد اللہ ابن ابی کے باب میں نازل ہوئی تھیں۔ یہود سے اس کا بہت دوستانہ تھا۔ اس کا گمان یہ تھا کہ اگر مسلمان پر کوئی افتاد پڑی اور پیغمبر علیہ السلام کی جماعت مغلوب ہوگئی تو یہود سے یہ ہماری دوستی کام آئے گی۔ اسی واقعہ کی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے'' (القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردیہ، ترجمہ: مولانا محمود حسن رتفسیر: مولانا شبیر احمد عثمانی، مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف مدینہ منورہ، ب۔ت، ص ۱۵۴)۔

مولانا صلاح الدین یوسف اس روایت کو مزید تفصیل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان آیات کی شانِ نزول میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبادہ ابن صامت اور رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی دونوں ہی عہدِ جاہلیت سے یہود کے حلیف چلے آرہے تھے۔ جب بدر میں مسلمانوں کی فتح ہوئی تو عبد اللہ ابن ابی نے بھی اسلام کا اظہار کیا۔ ادھر بنو قینقاع کے یہودیوں نے تھوڑے ہی دنوں میں فتنہ برپا کر دیا اور وہ گس لیے گئے، جس پر حضرت عبادہ ابن صامتؓ نے تو اپنے یہودی حلیفوں سے براءت کر دیا، لیکن عبد اللہ ابن ابی نے اس کے برعکس یہودیوں کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں'' (قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ترجمہ: مولانا احمد جونا گڑھی رتفسیر مولانا صلاح الدین یوسف، مدینہ منورہ، بدونِ تاریخ، ص ۳۰۸)

آیت کا اصل مخاطب منافقین کو قرار دیتے ہوئے صاحب ''تدبر، قرآن'' تحریر فرماتے ہیں:

''خطاب گرچہ مسلمانوں سے عام ہے، لیکن قرینہ دلیل ہے کہ روئے سخن ان منافقین ہی کی طرف ہے جن کا ذکر آیت ۴۱ سے چلا آرہا ہے اور جن کی صفت الذین یسارعون فی الکفر بیان ہوئی ہے۔ یہ لوگ، جیسا کہ ہم سمّٰعون لقوم آخرین کے تحت واضح کر چکے ہیں، یہود کے زیر اثر تھے اور دعویٰ اگر چہ ایمان کا کرتے تھے لیکن عملاً یہود کی مقصد آریوں میں ان کے آلۂ کار اور ایجنٹ تھے۔ ان کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا معتمد اور کارساز نہ بناؤ'' (امین احسن اصلاحی، تدبرِ قرآن، تاج کمپنی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۵۴۳/۲)۔

یہاں یہ وضاحت بے موقع نہ ہوگی کہ ممتاز مصری مفسر سید قطبؒ کی عربی تفسیر کے اردو ترجمہ سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ مفسر گرامی نے اس آیت کا مخاطب (منافقین کا ذکر کیے بغیر) ان مسلمانوں کو قرار دیا ہے جو یہودیوں سے سماجی و معاشی زندگی میں قدیم تعلقات رکھتے تھے۔ اب مدینہ میں اسلامی نظام کے قیام کے بعد بدلی ہوئی صورتِ حال میں ان کے سامنے یہ سوال تھا کہ یہودیوں سے سماجی و معاشی روابط میں کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ ترجمہ کے حوالے سے ان کی تشریحات ملاحظہ ہوں:

''اس آیتِ ولایت سے مراد یہود و نصاریٰ کی مدد، ان کے ساتھ عہد و پیمان و تحالف ہے۔ اس لفظ کا یہاں یہ مفہوم نہیں ہے کہ ان کے دین کے سلسلہ میں ان کی پیروی نہ کی جائے، کیونکہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوں جو دین کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ صرف تحالف اور تعاون اور نصرت کی دوستی ہے جس کا معاملہ مسلمانوں پر مشتبہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ جائز ہے، کیوں کہ مفادات و تعلقات کے یہ رشتے عملاً پہلے سے موجود تھے۔ اسلام سے قبل عربوں اور یہود کے مابین تحالف و تعاون کے روابط قایم

تھے اور مدینہ میں اسلامی نظام کے قایم ہونے کے ابتدائی دور میں بھی اس طرح کے معاہدے موجود تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ممنوع قرار دیا۔ انہیں توڑنے کا حکم دیا۔ یہ اس وقت جب کہ یہ واضح ہوگیا کہ مدینہ کے مسلمانوں اور یہود کے مابین اس طرح کے روابط کا برقرار رہنا عملاً ناممکن ہے۔ اہلِ کتاب کے ساتھ اسلام کی نرمی وفراخ دلی ایک شئی ہے اور انہیں ولی (رفیق و دوست) بنانا بالکل دوسری شیئی ہے، لیکن یہ دونوں باتیں بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں ...... جن مسلمانوں کے فکر ونظر میں یہ دونوں باتیں گڈمڈ ہوگئی ہیں وہ درحقیقت اسلام اور اسلامی عقیدہ کا واضح اور نکھرا ہوا تصور نہیں رکھتے'' (تفسیر فی ظلال القرآن رترجمہ: سید حامد علی، ہندوستان پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۵،۴/ ۲۵۵۔۲۵۷)۔

جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے کہ اس آیت کے مخاطب صرف عہدِ نبوی ﷺ کے اہلِ ایمان ہیں یا بعد کے بھی؟ تقریباً تمام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم یا ہدایت زمانی قید سے آزاد ہے، یعنی اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی اتباع ہر دور کے مومنین سے مطلوب ہے، حتّی کہ وہ مفسرین جنھوں نے منافقین کو اس آیت کا اصل مخاطب قرار دیا ہے، انہوں نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ '' خطاب عام ہے'' (تدبر،۲/ ۵۴۳)۔ درحقیقت یہود ونصاریٰ کے کردار کا گھناؤنا پن اور ان کے جرموں (جو ان کی سرشت میں ہے) کی سنگینی یہ بتا رہی ہے کہ مذکورہ ہدایت ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ہے اور خاص طور سے اس صورتِ حال میں کہ مجموعی طور پر مسلمانوں کے تئیں ان کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے اور ان کی مسلم مخالف چالوں، منصوبوں اور سرگرمیوں کے واقعات عالمی سطح پر لوگوں کے سامنے آتے رہتے ہیں، بلکہ سچی بات ہے کہ متعدد مسلم ممالک کے تئیں ان کی موجودہ فتنہ سامانیوں اور تباہ کاریوں کے پس منظر میں ان سے اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود نمعلوم کس بنیاد پر بعض جدید مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ موجودہ دور کے یہود ونصاریٰ کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حقیقت یہ کہ قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے جو فکری و عملی فساد، منفی کردار اور اہلِ ایمان کے تئیں ان کے شدید ترین معاندانہ رویہ کو بے نقاب کیا ہے وہ اب بھی پوری طرح باقی ہے۔ اسلام پسند اور طاقتور مسلم حکمرانوں کے سلسلہ میں ان کی جو ریشہ دوانیاں ہیں، سیاسی، فوجی و اقتصادی طور پر مسلم ریاستوں کو کمزور کرنے و رکھنے کے بارے میں ان کے جو منصوبے اور اقدامات ہیں، سود خوری اور دولت کے رسیا پن کی ان کی نفسیات کی جو کارستانیاں ہیں، بت پرست اور دوسرے غیر مسلم حکمرانوں سے گٹھ جوڑ کرکے مسلمانوں اور مسلم حکومتوں کے خلاف ان کی جو سازشیں ہوتی رہتی ہیں اور اسلام، اسلامی اقدار و قوانین کو انسانیت مخالف کا پروپیگنڈا کرکے لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کے لیے یہ اہلِ کتاب جو سارے حربے (کتب، مضامین، مذاکرات، ریڈیو، ٹی-وی اور قدیم و جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال) اختیار کرتے ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اس صورتِ حال میں اس رائے سے کیسے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے موالات، قریبی تعلقات اور رازدارانہ و معتمدانہ معاملات کی ممانعت سے متعلق قرآنی آیت کا اطلاق آج کے دور میں نہیں ہوسکتا۔ اس سے انکار نہیں کہ یہود و نصاریٰ میں اچھے لوگ اور نیک طبیعت رکھنے والے بھی ہیں جو اسلام اور اہلِ اسلام کے تئیں بہی خواہانہ اور منصفانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور مخالفانہ و معاندانہ حرکات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں۔ لیکن واقعی صورت حال یہ ہے کہ ان میں اکثریت اسی ذہنیت و کردار کے لوگوں کی ہے جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ سچ پوچھیے تو قرآن نے خود درج ذیل آیت میں اس حقیقت کا انکشاف کر دیا ہے:

مِّنۡهُمۡ أُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنۡهُمۡ سَاءَ مَا يَعۡمَلُونَ (المائدہ ۵/۶۶)	ان میں کچھ لوگ بیچ کی راہ یا راہ راست اختیار کرنے والے ہیں، لیکن ان میں اکثر بدعمل ہیں۔

اور بلاشبہ آج بھی یہ صورتِ حال برقرار ہے۔ یہ بات بدیہی ہے کہ ہمیشہ کسی قوم، جماعت یا گروہ کے بارے میں کوئی حکم اکثریت کی بنیاد ہی پر لگایا جاتا ہے۔

خلفاء راشدین اور خیر القرون کے اہلِ ایمان یہود و نصاریٰ سے متعلق قرآنی

ہدایت پر کس سنجیدگی سے عمل پیرا تھے اس کا کچھ اندازہ ایک روایت سے لگایا جا سکتا ہے جسے ابن کثیر نے زیرِ بحث آیت کی تشریح کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (گورنر بصرہ) کو آمد وخرچ یا لین دین کا حساب پیش کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنے نصرانی کاتب (سکریٹری) کے توسط سے اسے پیش کیا ہے۔ خلیفہ نے دریافت فرمایا کہ کیا یہ محافظ ہے، کیا یہ مسجد میں ہمیں وہ خط پڑھ کر سنا سکتا ہے جو شام سے آیا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا یہ مسجد میں نہیں داخل ہوسکتا۔ خلیفہ نے دریافت کیا، کیا یہ ناپاک ہے؟۔ انھوں نے جواب دیا نہیں۔ بلکہ یہ نصرانی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بیان کیا کہ خلیفہ نے مجھے تنبیہ کی اور حکم دیا کہ اسے نکال دو اور پھر قرآن کی مذکورہ آیت (یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء) پڑھ کر سنائی (تفسیر القرآن الکریم ابن کثیر، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ۶۸۲/۲)۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اسلامی نظم حکومت میں کاتب یا سکریٹری کی ذمہ داری بہت اہم ہوتی تھی اور حکومت کے بہت سے رازدارانہ امور اس سے متعلق ہوتے تھے۔ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے صاحبِ ''توضیح القرآن'' مولانا عبدالرشیدؒ نے بہت صحیح فرمایا ہے:

> ''سبحان اللہ صحابہ کس قدر تابع فرمان الٰہی تھے۔ اب مسلمانوں نے ان آیات کو پسِ پشت ڈال کر یہود ونصاریٰ سے اس قدر محبت ومودت اختیار کر رکھی ہے جو شاید اپنے بال بچوں سے بھی اس قدر نہ کرتے ہوں گے''
> (توضیح القرآن، ترجمہ: مولانا ثناء اللہ امرتسری، تفسیر: مولانا عبدالرشید، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ص۱۶۱)۔

رہا یہ مسئلہ کہ موجودہ عالمی منظر نامہ میں قرآن کریم کی زیر بحث آیت کی روشنی میں مسلمانوں کو ان کے تئیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

اس باب میں ان سے عمومی تعلقات کے بارے میں اوپر کچھ مفسرین کی آراء پیش کی جا چکی ہیں۔ ان سے عہد ومعاہدہ اور قریبی معاملات سے متعلق بعض مفسرین کی

آراء کو یہاں ذکر کرنا اہمیت سے خالی نہ ہوگا۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں غیر مسلموں بالخصوص اہلِ کتاب سے اہلِ اسلام کے تعلقات کی تین نوعیت بیان کی ہیں: گہرا تعلق یا قریبی دوستی، عام حسن سلوک اور مصالحت و معاملت۔ پہلی کو ممنوع، دوسری کو سب کے حق میں لازمی قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں: ''ایک تیسری و درمیانی صورت مصالحت و معاملت کی رہ جاتی ہے، تو وہ اہلِ اسلام کی اپنی مصلحت کے تابع ہے۔ صلح اور عہد و پیمان ہر کافر جماعت سے مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ ممانعت صرف موالات یا دوستانہ اتحاد اور برادرانہ مناصرۃ کی ہے'' (تفسیرِ ماجدی، محولہ بالا، ۱/۹۲۸، حاشیہ۔ ۱۹۰)۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا موقف اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ عام حالات میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک و رواداری کا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت و معاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قایم کرے۔ ہاں! اہلِ اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح وعہد و پیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی یہ رائے بھی اوپر آ چکی ہے کہ چوں کہ یہود و نصاریٰ کو دین و مذہب سے کوئی مطلب نہیں، صرف دنیا کے بندے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ ان دنیا دار یہودیوں و عیسائیوں، بلکہ عام کافروں کو بھی مخلص دوست نہ بنایا جائے تا کہ ان کی صحبت کا اثر ان پر نہ پڑ جائے۔ البتہ ان سے عام کاروبار اور لین دین میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صاحبِ معارف القرآن کی رائے میں اہلِ کتاب سے گہری دوستی کسی صورت میں جائز نہیں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور عام غیر مسلمین کا بھی یہی دستور ہے کہ وہ گہری دوستی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص رکھتے ہیں (معارف القرآن، محولہ بالا، ۳/۱۷۰)۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے زیر بحث مسئلہ پر آیت کے الفاظ ''من دون المومنین'' کے حوالہ سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنانے کی ممانعت من دون المومنین کی قید کے ساتھ وارد ہوئی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کو دوست نہ بناؤ۔ اگر یہ موالات اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہو یا

کم از کم یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ ہو تو اس کی ممانعت نہیں'' (تدبرِ قرآن،۵۴۳/۲) ۔مولانا صلاح الدین یوسف نے یہود و نصاریٰ سے موالات ومحبت (یا گہری دوستی) قایم کرنے کی ممانعت کا ذکر کرتے ہوئے اس پر خاص زور دیا کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور آیت کے بعد کے حصہ (یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں) کے حوالے سے انھوں نے یہ تاثر بھی ظاہر کیا کہ یہ بالکل سچ ہے، جیسا کہ موجودہ زمانہ میں '' قرآن کی اس بیان کردہ حقیقت کا مشاہدہ ہر شخص کرسکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں اگرچہ آپس میں عقاید کے لحاظ سے شدید اختلاف اور باہمی بغض وعناد ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک دوسرے کے معاون بازو اور محافظ ہیں'' (قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر، محولہ بالا،ص ۳۰۸، حاشیہ نمبر-۴)۔ یعنی موجودہ دور میں بھی ان کی مذکورہ روش کی وجہ سے ان سے گہری دوستی کسی صورت میں جائز نہیں۔ مولفِ ''البیان'' جناب جاوید احمد غامدی نے آیت کے مذکورہ بالا حصہ کے حوالہ سے عہد نبوی ﷺ کی صورتِ حال کے پس منظر میں (جو جدید دور پر بھی منطبق کی جاسکتی ہے) ایک اچھا نکتہ پیدا کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ '' اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لیے ایک مشترک خطرہ سمجھتے ہیں اور ان سے نمٹنے لے لیے ان کے خلاف ملتِ واحدہ بن چکے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ اب مسلمانوں کو بھی ان کے خلاف ملّتِ واحدہ بن کر ان کے ساتھ دوستی و اعتماد پر مبنی تمام تعلقات و مراسم ختم کر دینے چاہئیں'' (البیان، المورد، لاہور،۲۰۱۰ء، ۶۴۸/۱، حاشیہ نمبر۳۹۲)۔اس تشریح کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ حالات میں جب کہ یہود و نصاریٰ عالمی سطح پر مسلمانوں کے خلاف ملّت واحدہ بن چکے ہیں، بلکہ اس ملت میں غیر مسلموں کے دوسروں گروپوں کو بھی شامل کرلیا ہے، اس لیے اس وقت بھی مسلمانوں کے لیے ان کے ساتھ گہری دوستی اور اعتماد بھرے تعلقات و مراسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اوپر کی تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اردو مفسرین کی اکثریت کے مطابق زیر بحث آیت میں یہود و نصاریٰ کو ولی نہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ ان

سے گہرے و بہت قریبی تعلقات نہ قایم کیے جائیں، ان کو محرمِ راز اور معتمد نہ بنایا جائے اور نہ ہی ان کو مددگار و کارساز سمجھا جائے۔ اس کی وجہ ان کی اسلام و مسلمان مخالف سرگرمیوں اور ریشہ دوانیوں کے سیاق میں صاف ظاہر ہے۔ بلاشبہ وہ اپنی مخالفانہ حرکات، معاندانہ رویے اور سازشی ذہن کی وجہ سے اس لایق نہیں ہیں کہ ان سے قریبی راہ و رسم رکھی جائے اور ان سے رازدارانہ یا قریبی رفاقت کا تعلق قایم کیا جائے، اس لیے کہ ایسا کرنا بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے مفاد میں نہ ہوگا۔ مذکورہ مباحث سے دوسری اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ مفسرین کی تشریحات کے مطابق اس آیت کی رو سے یہود و نصاریٰ سے عام انسانی تعلقات، ان کے ساتھ حسن سلوک اور روز مرہ زندگی میں لین دین کے معاملات کی ممانعت قطعاً نہیں ثابت ہوتی۔ تیسرے یہ کہ بعض مفسرین نے واضح طور پر اور کچھ نے اشارتاً یہ بیان کیا ہے کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کے تئیں یہود و نصاریٰ کا جو عمومی رویہ ہے اس کی روشنی میں آیت میں ان کے سلسلہ میں مذکورہ (ولی بنانے کی) ممانعت اب بھی پوری طرح برقرار یعنی واجب العمل ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کے تئیں ان کا مخالفانہ برتاؤ، ضرر رساں حرکات وسکنات اور ان کے خلاف دوسروں سے اتحاد قایم کرنے کی روش اب بھی باقی ہے۔ چوتھے مذکورہ بحث سے بعض مفسرین کا یہ موقف بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان سب کے باوجود جہاں جس مقام پر ان سے مصالحت اور معاہدہ مسلمانوں کے مفاد میں ہو یا کم از کم ان کے خلاف نہ ہو تو اس کی اجازت ہے۔ واقعہ یہ کہ موجودہ عالمی تناظر، بالخصوص اسلام اور اسلامی شریعت و تعلیمات کے بارے میں ان کا زوروں سے جاری منفی پروپیگنڈا اور متعدد مسلم ممالک میں ان کی جانی و مالی تباہ کاریوں کے سیاق میں زیر بحث آیت میں دی گئی ممانعت کی اہمیت و معنویت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں رچی جاتی ہیں، اسلام پسندوں کو کچلنے یا ان کی جانی و مالی تباہی کے جو منصوبے بنائے جاتے ہیں، اسلامی احکام و تعلیمات خاص کر عورتوں و غیر مسلموں کے حقوق یا عام انسانی حقوق کے تئیں اسلامی موقف کی غلط یا گھڑی ہوئی ترجمانی کرکے اس کے خلاف میڈیا کے ذریعہ جو خوف و دہشت کا ماحول گرم کیا جاتا ہے، دینی

مدارس کے بارے میں جو منفی تاثرات پھیلائے جاتے ہیں، کسی ابھرتے ہوئے مسلم پاور یا طاقت ور مسلم حکمراں کو ختم کرنے کے لیے جھوٹے بہانوں سے جو فوجی جارحیت کی جاتی ہے اور پھر معصوموں کی جان و مال وعزت کو ملیا میٹ کرنے کا جو گھناؤنا کھیل کھیلا جاتا ہے اور قرآن عظیم کی بے حرمتی اور نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے جو دل آزار واقعات رونما ہوتے ہیں ان میں کون زیادہ ملوث ہے یا کون کلیدی کردار ادا کرتا ہے؟ ان سوالات کا جواب معلوم کرنے کے لیے کسی کو ریسرچ کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ پوری دنیا اس سے واقف ہے، یعنی یہود و نصاریٰ کا کچھا چھٹا سب کے سامنے ہے۔ اس لیے مسلمانوں، خاص طور سے مسلم بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے قرآن کریم کی مذکورہ ہدایت کی حکمت و مصلحت کو سمجھنا اور اس پر سنجیدگی و دیانت داری سے عمل کرنے میں ان کی بھلائی ہے۔ بعض مسلم ممالک میں اس قرآنی ہدایت کے خلاف جو طرز عمل اختیار کیا گیا یا کیا جا رہا ہے اور اس کے جو خطرناک و تباہ کن نتائج سامنے آئے یا آرہے ہیں ان کی روشنی اس قرآنی ہدایت کا اہلِ اسلام کے لیے باعثِ خیر ہونا اور اچھی طرح واضح ہو گیا ہے۔ یہود و نصاریٰ سے متعلق قرآن مجید کی مذکورہ آیت اور دوسری متعلقہ آیات سے اہلِ اسلام کو ایک بہت اہم سبق یہ ملتا ہے کہ مسلمان ان سے بالخصوص یہودیوں سے تعلقات و معاملات میں بہت ہوشیار و چوکنا رہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کے مشاہدات اور تجربات یہ بتا رہے ہیں کہ تمام غیر مسلموں میں یہ اسلام دشمنی میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور انھیں نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھ چھوڑتے یا انھیں اذیت میں مبتلا کرنے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ”غیر المغضوب علیھم ولا الضالین“ کی توضیح کرتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ ”مغضوب“ سے مراد یہودی اور ”ضالین“ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ اسی ضمن میں انھوں نے بجا طور پر یہ خیال ظاہر کیا کہ ”ان دونوں (یہود و نصاریٰ) کا فتنہ ایسا اشدّ ہے کہ مسلمانوں کو قیامت تک ان سے چوکنا رہنا چاہیے“۔ اللہ کرے امت مسلمہ قرآنی ہدایات و تعلیمات پر پوری طرح کاربند ہو جائے اور افرادِ امت اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں قرآن و سنت کو حکم بنانے والے بن جائیں۔ آمین ثم آمین۔ اللھمّ وفقنا لما تحبّ و ترضیٰ۔